اردو کانفرنس ضلع محبوب نگر

~~۱۸-~~ ۲۰ جنوری ۱۹۵۸ء

خطبۂ صدارت

از

جناب حبیب الرحمٰن صاحب

معتمد انجمن ترقی اردو (حیدرآباد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرات!

میں کارکنان اردو کانفرنس محبوب نگر کا شکر گذار ہوں کہ انھوں نے مجھے اس کانفرنس کی صدارت کی عزت بخشی۔ آپ سب کے تعاون سے امید ہے کہ میں کامیابی کے ساتھ اپنے فرائض سے سبکدوش ہو سکوں گا۔

میں ضلع محبوب نگر کے اردو دوستوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ بالآخر انھوں نے اردو کے تعلق سے اپنا فرض محسوس کیا اور اس علاقے میں اردو کی ترقی کے لیئے باقاعدہ طور پر کمربستہ ہوگئے۔ اور انجمن ترقی اردو کی مقامی شاخ قائم کرکے خود کو اس مرکزی تنظیم سے وابستہ کرلیا جو ان ہی اغراض ومقاصد کو لے کر کل ہند اساس پر کام کر رہی ہے۔

حضرات حصول آزادی کے بعد سے ہندوستان کے مختلف حصوں میں اردو زبان کے ساتھ جو ناانصافی ہو رہی ہے' اس کے مختلف پہلوؤں پر بہت کچھ لکھا اور کہا جا چکا ہے اس موقع پر پھر ان ہی تفصیلات کو دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ البتہ ایک خاص بات کی طرف سرسری اشارہ شاید بے محل نہ ہوگا اب تک اردو کی مخالفت زیادہ تر ارباب سیاست کی طرف سے ہوتی تھی۔ چونکہ موجودہ زمانہ میں سیاست کی کامیابی کا انحصار بسا اوقات جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ بتانے پر ہوتا ہے اس لیے ہم ایسی مخالفت کو سیاسی مصلحت اندیشی پر محمول کرلیتے تھے۔ لیکن حال ہی بعض ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں جن سے اندیشہ ہوتا ہے کہ یہ زہر بعض ادیبوں اور ادبی جماعتوں میں بھی سرایت کرگیا ہے۔ ہفتہ وار اخبار "ہماری زبان" نے جو انجمن ترقی اردو (ہند) کا ترجمان ہے اپنی ایک حالیہ اشاعت میں ایسے دو واقعات کا ذکر کرتے ہوئے اس تعصب اور ہٹ دھرمی پر بڑے دکھ کا اظہار کیا ہے اور حقیقت میں یہ ہے بھی بڑے دکھ کی بات۔ جب ڈاکٹر بچن جیسے ہندی کے مشہور شاعر

اور ہندوستانی اکیڈمی جیسا خالص ادبی ادارہ اردو کو ایک علیحدہ اور مستقل زبان ماننے سے گریز کرنے لگے تو ہمیں گمان ہوتا ہے کہ یہ تنگ نظری کہیں احساس کمتری کا مظہر تو نہیں ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اردو ہندوستان کی اہم ترین زبانوں میں سے ایک زبان ہے۔ بلکہ اس کی ایک خصوصیت تو ایسی ہے جو ہندوستان کی کسی اور زبان کو حاصل نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ جہاں بنگالی صرف بنگال تک، مرہٹی صرف مہاراشٹرا تک، گجراتی صرف گجرات تک، تلگو صرف آندھرا پردیش تک اور اسی طرح ہر ایک ہندوستانی زبان صرف ایک ایک خاص علاقے تک محدود ہے وہاں اردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو ہر علاقے میں کچھ نہ کچھ بولی اور سمجھی جاتی ہے بالفاظ دیگر جہاں دوسری زبانیں ملک کے مختلف حصوں کو ایک دوسرے سے دور اور الگ کرنے کا کام کرتی ہیں، وہیں اردو زبان ان سب کو ملانے اور ایک دوسرے سے قریب لانے کا رول ادا کر رہی ہے، اپنی اس کل ہند خصوصیت کے علاوہ اردو زبان اپنا ایک خاص وطن بھی رکھتی ہے جو دلی، اتر پردیش، بہار، پنجاب، جموں اور کشمیر کے وسیع علاقوں پر پھیلا ہوا ہے جنم بھومی سے ہٹ کر جنوب کی طرف آئیے تو یہاں بھی آپ کو اردو بولنے والے لاکھوں کی تعداد میں ملیں گے۔ ہماری نئی ریاست آندھرا پردیش ہی میں وہ تیس پینتیس لاکھ کے لگ بھگ ہیں۔ یہی حال بمبئی، مہاراشٹرا اور مدھیہ پردیش کا ہے۔ مزید براں یہی وہ زبان ہے جو "ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کی آئینہ دار ہے اور جسے ہندوستان کی تمام مذہبی جماعتوں نے اپنے خونِ جگر سے سینچا ہے۔" جو لوگ ہندی سے دوستی کے لیے اردو سے دشمنی کرنا ضروری سمجھتے ہیں انھیں چاہیے کہ اب بھی اس ہٹ دھرمی سے باز آئیں۔ قدرت کا یہ قانون ہے کہ وہ کسی قسم کی ناانصافی کو بہت دنوں تک برداشت نہیں کرتی۔ مشرقی پنجاب، مغربی بنگال اور جنوبی ہند کے بڑے حصوں میں آج ہندی کے تعلق سے جو جذبات ظاہر ہو رہے ہیں وہ قدرت کے انصاف کی ایک نمایاں مثال ہیں اور اہل بصیرت چاہیں تو ان سے سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

مختصر یہ کہ اردو کے ساتھ جو ناانصافی گزشتہ کئی سال سے جاری ہے وہ "ہماری نئی جمہوریت کے دامن پر ایک بدنما دھبہ ہے" اس دھبے کو مٹانے کے لیے اردو والے گزشتہ آٹھ دس سال سے برابر جد و جہد کر رہے ہیں۔ اتر پردیش میں تو اس سلسلے میں ایک زبردست

مہم چلائی گئی اور ۲۱ ½ لاکھ باشندوں کے دستخط فراہم کر کے ایک نمائندہ وفد صدر جمہوریہ کی خدمت میں حاضر ہوا جس کا ابھی تک کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ بہار، یو۔ پی، راجستھان میں بھی باضابطہ کوششیں کی گئیں لیکن عملی طور پر کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ جنوبی ہند کے اکثر صوبوں میں اگرچہ حکومت کے سربراہوں کی طرف سے اردو کی مخالفت نہیں کی جاتی لیکن "چھوٹے درجے کے اکثر عہدہ دار" برابر اردو کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں اور ان حرکتوں کے خلاف جو آوازیں اٹھائی جاتی ہیں ان کی کماحقہ شنوائی نہیں ہوتی۔ اگرچہ پچھلے چند سالوں میں اردو زبان کی مخالفت میں کچھ کمی ضرور ہوئی ہے لیکن عملی طور پر اس کی حفاظت کا کوئی انتظام نہیں ہے اور اس زبان کی طرف سے حکومتوں کی غفلت ولاپرواہی بدستور جاری ہے

سوال یہ ہے کہ ان حالات میں اردو والوں کا کیا فرض ہے؟ تفصیلات میں گئے بغیر میں اس سلسلے میں دو بنیادی باتوں کی طرف آپ کو خاص طور پر متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ اردو کی طرف سے مایوسی کو اپنے نزدیک پھٹکنے نہ دیں۔ مایوسی بڑی خطرناک بیماری ہے۔ اس کی وجہ سے ہمارے ارادے کمزور اور طاقتِ عمل سلب ہو جاتی ہے اور اگر بروقت اس کی روک تھام نہ کی گئی تو بالآخر اس کا نتیجہ اجتماعی موت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے جب بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ اب ہندوستان میں اردو کا کیا مستقبل ہے۔ اردو پڑھنے پڑھانے سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا۔ اردو کے پیچھے وقت ضائع کرنے کی بجائے کیوں نہ ہم اپنی توانائیاں ایسی زبانوں کو سیکھنے میں صرف کریں جن سے ذریعہ روزگار ملنے میں آسانی ہو۔ میں ان حضرات سے ہمیشہ یہی کہتا رہا ہوں کہ بلاشبہ روزگار کا تعلق زبان دانی سے ہے لیکن اتنا نہیں جتنا کہ وہ اپنی دانست میں سمجھے ہوئے ہیں۔ جس طرح انگریزوں کے دور میں ہزاروں انگریزی جاننے والے گریجویٹ بے روزگار رہتے تھے اسی طرح آزاد ہندوستان میں ہزاروں ہندی جاننے والے بھی بے روزگار رہ سکتے ہیں۔ آج بھی باوجود پانچ سالہ منصوبوں اور زراعتی اور صنعتی ترقیات کی بے شمار اسکیموں کے کیا ہزاروں انگریزی اور ہندی جاننے والے تعلیم یافتہ نوجوان بے روزگار نہیں ہیں اور اگر کل آندھرا پردیش میں اعلیٰ تعلیم اور اعلیٰ نظم ونسق کی زبان تلگو ہو جائے تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ تلگو جاننے والوں میں کوئی بے روزگار نہیں رہے گا؟ حقیقت یہ ہے کہ کسی ملک یا سوسائٹی میں روزگار کا انحصار وہاں کے معاشی نظام پر ہوتا ہے۔ اگر معاشی تنظیم ناقص ہو تو آپ

خواہ کسی زبان کے کتنے ہی ماہر کیوں نہ ہوں، بے روزگاری کے اندیشے سے آپ محفوظ نہیں رہ سکتے
جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں آزاد ہندستان نے اشتراکی نظام معیشت کو اپنا نصب العین قرار دیا ہے اور خوش حال مملکت کے تصور کو اپنا لیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تمناؤں کی تکمیل کا راستہ بہت دشوار گذار ہے۔ اس لیے منزل مقصود تک پہنچنے میں سالہا سال کی مدت لگے گی۔ لیکن اتنا تو یقین ہے کہ اب کوئی آنے والی حکومت اس مقررہ نصب العین سے ہٹ نہیں سکتی اور نہ خوش حال مملکت کے تصور کو چھوڑ سکتی ہے۔ راستہ خواہ کتنا ہی دشوار ہو ہمیں بالآخر ایسا معاشرہ بنانا ہی ہوگا جس میں ہر فرد کے لیے کوئی نہ کوئی مفید کام مہیا کرنا پڑے گا، جہاں کوئی صحت مند توانا شخص بغیر کچھ کام کیے روٹی نہ پا سکے گا، کسی معذور و بیمار کو بھوکوں مرنے کے لیے چھوڑ نہیں دیا جائے گا اور سوسائٹی کے ہر فرد کو اس کی صلاحیتوں کے مطابق کسی نہ کسی مفید کام کے لیے تیار کیا جائے گا۔

اگر اس پس منظر میں آپ زبان کے مسئلے کو جانچیں گے تو روزگار اور زبان کا صحیح تعلق بہ آسانی آپ کی سمجھ میں آجائے گا اور یہ حقیقت آپ پر واضح ہو جائے گی کہ آپ کے بچے نہ اردو پڑھ کر لازمی طور پر بے روزگار رہیں گے اور نہ ہندی سیکھ کر وہ بے روزگاری کے اندیشے سے لازماً بچے رہیں گے۔ مزید برآں ہم نے کب اردو والوں سے یہ کہا ہے کہ وہ کوئی دوسری زبان سیکھیں ہی نہیں۔ ہم تو برابر یہ کہتے آرہے ہیں کہ اردو والے جہاں بھی رہیں وہاں کی اکثریت کی زبان کو ضرور سیکھیں اور اس میں کافی مہارت پیدا کریں۔ مثلاً آندھرا پردیش میں تمام اردو بولنے والوں کو اپنی زبان کے علاوہ اچھے خاصے معیار کی تلگو بھی سیکھنا پڑے گی۔ یہ دو زبانیں ان کے لیے لازمی حیثیت رکھتی ہیں اور اس ریاست میں بسنے والوں کی بہت بڑی تعداد صرف ان دو زبانوں کو سیکھ کر کافی خوش حال زندگی بسر کر سکتی ہے۔ اس کے بعد جہاں تک ہندی اور انگریزی کا تعلق ہے آندھرا پردیش کے صرف وہی افراد ان زبانوں کو سیکھیں گے جنھیں اپنے کاروبار اور ذریعۂ معاش کے تعلق سے ان کا سیکھنا ضروری معلوم ہو۔ بلکہ کچھ تعداد ایسے افراد کی بھی ہوگی جنھیں جرمن، فرانسیسی، روسی، عربی جیسی غیر ملکی زبانوں میں سے ایک نہ ایک زبان حسب ضرورت سیکھنا پڑے گی۔ زبانوں کی اس کثرت سے ہمیں پریشان نہ ہونا چاہیے۔ دنیا کے مختلف ملک جس قدر ایک دوسرے سے قریب ہوتے جارہے ہیں، اسی قدر ہر ملک میں کئی کئی زبانیں جاننے والوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے لیکن اس رجحان کے باوجود کوئی سمجھدار شخص اپنی مادری زبان کو چھوڑ نہیں دیتا اور نہ اپنی

انفرادیت سے دست بردار ہوجاتا ہے۔ ہاں اگر کسی نیم وحشی قبیلے کے مٹھی بھر افراد جن کی نہ کوئی تاریخ ہے نہ تہذیب، نہ زبان ہے نہ ادب، ترقی یافتہ پڑوسیوں کے زیر اثر اپنی بولی چھوڑ بیٹھیں تو اس میں کسی کا کوئی نقصان نہیں ہے لیکن اردو کے تعلق سے ایسا خیال صرف اسی شخص کے ذہن میں آسکتا ہے جو یا تو جاہل مطلق ہو یا پھر تعصب نے اسے اندھا کر دیا ہو۔ ہمارے لیے تو اردو نہ صرف اظہار خیال کا ایک ذریعہ ہے بلکہ وہ ہماری ہزار سالہ تاریخ کا ماحصل ہے۔ اس طویل تاریخی دور کے جس پہلو کا بھی آپ جائزہ لینا چاہیں اسکے لیے اردو سے واقفیت لازمی ہے۔ گذشتہ سو سال ہی کے واقعات کو لیجئے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ انگریزوں سے آزادی کی لڑائی لڑنے میں اس زبان کا کس قدر عظیم الشان حصہ رہا ہے۔ ہندستان کی شاید ہی کسی اور زبان میں

ہماری سو سالہ جدوجہد آزادی کے متعلق اتنا نظم و نثر کا سرمایہ موجود ہوگا جتنا کہ اردو میں ہے۔ ہندستانیوں کی روزمرہ زندگی میں مذہب کو جسقدر دخل حاصل ہے وہ ظاہر ہے۔ خدا بیزاری کی عالمگیر وبا کے باوجود ہندستان میں مذہبی نقطۂ نظر رکھنے والوں کی بہت بڑی اکثریت موجود ہے۔ یہ لوگ اپنے بچوں کو مذہب اور مذہبی تعلیمات سے باخبر رکھنا چاہتے ہیں۔ اردو زبان کا سہارا لیے بغیر ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہوسکتی۔ مسلمانوں کے لیے بلاشبہ عربی ایک مقدس زبان ہے اس لیے کہ اس میں قرآن پاک نازل ہوا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ ہمارے لیے ایک غیر ملکی زبان ہے۔ عام مسلمانوں کو اگر مذہبی تعلیم دینا ہے تو اس کے لیے ہمیں اردو ہی سے مدد لینا پڑے گی۔ مختصر یہ کہ ہماری تاریخ، ہمارا کلچر، ہمارا ادب، ہمارا مذہب غرض ہماری وہ تمام چیزیں جنھیں ہر زندہ قوم ایک متاع عزیز سمجھتی اور جن کے تحفظ کے لیے ہر ایثار و قربانی پر آمادہ ہوجاتی ہے وہ سب اردو سے وابستہ ہیں۔ پھر بھی اگر ہم اس شک و شبہ میں گرفتار رہیں کہ اردو پڑھنے پڑھانے سے کیا فائدہ ہے تو یہ ہماری بدنصیبی ہے۔

دوسری بنیادی بات جو ہماری خاص توجہ کی محتاج ہے اور جسے ہمیں اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے یہ ہے کہ اردو زبان کی حفاظت و ترقی کی ذمہ داری خود اردو والوں پر ہے۔ کسی اور پر نہیں ہے۔ حکومت سے ہمارا جھگڑا اس لیے نہیں ہے کہ وہ اردو کی حفاظت و ترقی کی ذمہ داری سے گریز کرتی ہے بلکہ صرف اس لیے ہے کہ وہ بعض ریاستوں میں اردو کو اسکے دستوری حقوق سے محروم کر رہی ہے۔ اس لیے ہمارا

یہ فرض ہے کہ اردو کو اس [illegible] کوشش میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں انھیں اس ناانصافی سے باز رکھیں۔ چنانچہ انجمن ترقی اردو (ہند) گذشتہ آٹھ دس سال سے بڑی سنجیدگی اور استقلال کے ساتھ برابر اس کام میں لگی ہوئی ہے اور یقین ہے کہ اس کی یہ کوششیں خواہ کسی قدر دیر سے سہی، ضرور بار آور ہوں گی۔ اور اردو کو اس کا واجبی حق ضرور مل کر رہے گا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس کامیابی کے بعد اردو کا مستقبل ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے گا؟ اور یہ زبان اپنے آپ ناگزیر طور پر ترقی کی منزلیں طے کرتی رہے گی؟ جو لوگ ایسا خیال کرتے ہیں میں سمجھتا ہوں وہ بڑی بھول میں ہیں۔ کیونکہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ اگر حکومت سو فیصد ہمارے مطالبات منظور کر لے تب بھی یہ بالکل ممکن ہے کہ ہماری زبان کی ترقی رُکی رہے۔ اس کے برعکس حکومت ہمارا کوئی مطالبہ منظور نہ کرے تب بھی یہ ممکن ہے کہ اردو کی ترقی برابر جاری رہے۔ اردو کی ترقی و توسیع کا مدار اصل میں خود اردو بولنے والوں پر ہے۔ اگر ان میں اردو کی اہمیت کا احساس ہے، اگر ان کی اردو دوستی صرف زبانی ہمدردی تک محدود نہیں ہے، اگر وہ اردو کی خاطر کچھ تکلیف اٹھانے اور کچھ ایثار کرنے کی ہمت رکھتے ہیں، اگر نامساعد حالات ان کے ارادوں کو کمزور نہیں کرتے بلکہ اس متاع عزیز کی حفاظت کے لیے ان کے دلوں میں اور زیادہ تڑپ پیدا کر دیتے ہیں، تب تو ہمیں اس کا یقین رکھنا چاہئے کہ ہمارا بڑے سے بڑا مخالف بھی ہمیں اپنی منزل مقصود تک پہونچنے سے روک نہیں سکتا۔ زیادہ سے زیادہ وہ اس میں کچھ رکاوٹیں پیدا کر سکتا ہے لیکن ہر رکاوٹ ایک مزید تازیانہ ثابت ہوگی جس کے زیر اثر ہماری رفتار ترقی اور زیادہ تیز ہو جائے گی۔

حضرات! اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنی توانائیاں زیادہ تر تعمیری کاموں میں صرف کریں۔ شاندار مظاہروں اور تماشوں کے بجائے سنجیدہ، ٹھوس اور عملی کاموں کی طرف توجہ کریں۔ یہ دریافت کریں کہ اردو کی ترقی کے لیے وہ کیا کام ہیں جو اس وقت کرنے کے ہیں۔ اُن کا ایک باضابطہ پروگرام بنائیں اور خاموشی، خلوص اور بے غرضی کے ساتھ نمود و نمائش سے دور اور فضول جھگڑوں سے بچے رہ کر باہمی میل جول سے اس پروگرام پر عمل کریں۔

عملی کام یوں تو انفرادی طور پر بھی کیے جا سکتے ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ وہ ایک اجتماعی تنظیم کے تحت کیے جائیں۔ کیونکہ بغیر تنظیم کے وہ زیادہ موثر، دیرپا اور مسلسل نہیں ہو سکتے۔ اردو بولنے والوں کی ایک بڑی کمزوری اسی تنظیم کی کمی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اردو کی توسیع و اشاعت کے لیے کئی چھوٹے بڑے ادارے ملک کے اکثر حصوں میں کچھ نہ کچھ کام کر رہے ہیں۔ اور یقیناً وہ آپ کی توجہ کے مستحق ہیں۔ لیکن کل ہند اساس پر

اور نمائندہ حیثیت سے اردو کا کام کرنے والی تنظیم صرف انجمن ترقی اردو (ہند) ہے۔ گذشتہ ساٹھ پینسٹھ سال میں اردو کی اشاعت و ترقی کے لیئے اس ادارے نے بڑی شاندار خدمات انجام دی ہیں اور اب آزادی کے بعد خاص حالات کی وجہ سے اردو دشمنی کی جو فضا پیدا ہو گئی تھی اس کو دور کرنے میں منہمک ہے اس لیے ہمارا فرض ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے اس ادارے سے اپنا ربط قائم کر کے اسے اور زیادہ مضبوط اور نمائندہ بنانے کی کوشش کریں۔ اور اس کی رہنمائی میں اردو کی ترقی و ترویج و حفاظت کیلئے مقامی حالات کی روشنی میں پروگرام مرتب کریں اور پورے خلوص و انہماک کے ساتھ اس کو عملی جامہ پہنائیں۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ محبوب نگر کے اردو دوستوں نے انجمن کی مقامی شاخ قائم کر کے بہت اچھا اقدام کیا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ باہمی رقابتوں اور شخصی مخالفتوں سے اوپر اٹھ کر پوری نیک نیتی اور بے غرضی کے ساتھ اس کو پروان چڑھائیں اور اسے ایک فعّال ادارہ بنائیں۔ تجربہ شاہد ہے کہ بہت سی شاخیں یا تو صرف مشاعرے اور ادبی جلسے کرتی ہیں یا پھر کچھ نہیں کرتیں۔ میں شعر و سخن کی محفلوں اور ادبی اجتماعات اور کانفرنسوں کا مخالف نہیں بلکہ ایک حد تک انہیں ضروری سمجھتا ہوں۔ کیونکہ برسوں کی مایوسی اور احساس شکست نے اردو والوں میں جو ایک طرح کی افسردگی اور بددلی اور خود اپنے مشن کی سچائی کے متعلق شک و شبہ پیدا کر دیا ہے اسے دور کرنے میں ایسے اجتماعات سے مدد ملتی ہے اور انہیں محسوس ہونے لگتا ہے کہ ہم تنہا نہیں ہیں بلکہ سچے قوم پرست اور منصف مزاج ہندوستانیوں کی بہت بڑی تعداد ہمارے ساتھ ہے مگر اردو کا بیڑا پار لگانے کے لیئے صرف وقتی ہنگامے کافی نہیں ہیں بلکہ ٹھوس اور عملی کاموں کی طرف بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً ہمیں چاہئے کہ اپنے اپنے حلقے کے اندر ابتدائی مدارس اور ثانوی مدارس میں اردو کی تعلیم کا جائزہ لیں اور معلوم کریں کہ کہاں کہاں اردو میں تعلیم ہوتی ہے اور کہاں کہاں اسے ختم کر دیا گیا ہے جہاں اردو کی تعلیم ختم کر دی گئی ہے وہاں اسے دوبارہ جاری کرانے کی کوشش کریں۔ جہاں جہاں ممکن ہو خود اپنے مدرسے جاری کریں۔ اردو کے کتب خانے اور دارالمطالعے قائم کریں۔ بالغ ان پڑھوں کو اردو سکھانے کا انتظام کریں۔ انجمن کے اراکین کی تعداد بڑھائیں۔ تلگو اور ہندی زبانوں کے ادیبوں اور قومی کارکنوں سے ربط پیدا کریں اور ان سے خوشگوار تعلقات قائم کریں۔ اردو کے تعلق سے صحیح اعداد و شمار اکٹھا کریں تاکہ ہمارے دعوے ٹھوس حقائق پر مبنی ہوں۔ حضرات! یہ سب بڑے ہی صبر آزما کام ہیں۔ "ان میں داد کم ملتی ہے۔ شہرت کے مواقع بھی محدود ہیں۔ مگر خدمت کے لیے ان میں ایک وسیع میدان ہے اور آج ہمیں خودساختہ لیڈروں کی نہیں بلکہ اچھے کارکنوں کی ضرورت ہے۔"